22 وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے، جو نشاطِ شامِ وصال دے

(محسن احسان)
(۱۹۳۲ء۔۲۰۱۰ء)

شاعر کا تعارف

محسن احسان کا اصل نام احسان الٰہی تھا۔وہ پشاور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم پشاور ہی میں حاصل کی۔بعد ازاں انگریزی ادبیات میں ایم اے کیا اور اسلامیہ کالج پشاور کے شعبہ انگریزی میں تدریس سے وابستہ ہو گئے۔شان دار تدریسی خدمات اور اعلیٰ ادبی ذوق کی بدولت بہت جلد انھیں ادبی حلقوں میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی۔

محسن احسان بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے تاہم انھوں نے نظم، نعت، قومی شاعری اور بچوں کے ادب میں بھی طبع آزمائی کی۔ان کا شعری مزاج تہذیبی شائستگی سے عبارت ہے۔ان کی شاعری میں انسانی رشتوں کی نزاکت، وطن سے محبت، روحانی وابستگی اور فکری سنجیدگی کا امتزاج ملتا ہے۔وہ روایت سے وابستہ رہتے ہوئے جدید شعور کو بھی اپنے اشعار میں سمو لیتے ہیں۔جذبے کی صداقت اور اظہار کی شفافیت کے باعث ان کا کلام عام قارئین اور سنجیدہ ادبی حلقوں میں یکساں طور پر مقبول ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

محسن احسان کے شعری مجموعوں میں: اجمل و اکمل'' (نعتیہ کلام)، ''ناتمام''، ''ناگزیر''، ''ناشنیدہ''، ''نارسیدہ''، ''سخن سخن مہتاب''، ''مٹی کی مہکار'' (قومی نظموں کا مجموعہ) اور ''پھول پھول چہرے'' (بچوں کی شاعری کا مجموعہ) شامل ہیں۔

محسن احسان نے پشتو کے عظیم شعرا خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا کے کلام کے اردو تراجم بھی کیے، جو ان کی لسانی مہارت اور ادبی وسعت کا ثبوت ہیں۔ان کی شان دار ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان نے انھیں صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی سے نوازا۔

اشعار کی تشریح

شعر نمبر 1 وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے، جو نشاطِ شامِ وصال دے جو پلک جھپک میں گزر گئے مجھے پھر وہی مہ و سال دے

حل لغت نشاط (خوشی) شامِ وصال (ملاقات کی شام) پلک جھپک میں گزرنا (فوراً گزرنا، لمحہ بھر میں گزرنا) مہ و سال (مہینے اور سال)

مفہوم مجھے وہی حسین خواب عطا کر جو محبوب سے ملاقات کی شام کی مانند خوش گوار تھے۔وہ سال اور مہینے جو پل بھر میں گزر گئے تھے، مجھے پھر عطا کر دے۔

تشریح

محسن احسان اُردو کے ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی ترویج و اشاعت میں بسر کی۔ان کے خیالات میں تازگی اور زبان میں سادگی محسوس ہوتی ہے۔ان کی غزلیہ شاعری میں ایک نرمی، سلیقہ مندی، تہذیب اور شائستگی پائی جاتی ہے۔وہ عام انسان کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ میری آنکھوں کو پھر سے وہی حسین خواب عطا کر دے جو محبوب سے ملاقات کی شام کی مانند خوش گوار اور پُر مسرت تھے۔وہ زندگی انتہائی حسین، دل کش اور پُر کیف تھی۔لیکن افسوس کہ زندگی کے وہ لمحات پل بھر میں گزر گئے۔اب ان کی حسین یادیں ہی باقی ہیں۔میں پھر سے ان لمحات کو جینا چاہتا ہوں جو پلک جھپکنے میں گزر گئے۔وقت کی بے رحم گردش نے ان لمحات کو ماضی کی یاد بنا دیا۔

انسانی نفسیات ہے کہ اسے خوشی کے لمحات مختصر محسوس ہوتے ہیں جب کہ غم کے لمحات طویل۔ خصوصاً محبوب سے ملاقات کے لمحات بہت جلد گزر جاتے ہیں لیکن محبوب سے جدائی اور فراق کے لمحات کاٹے نہیں کٹتے۔ جیسا کہ علامہ اقبال کہتے ہیں:

ے مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں (علامہ اقبالؒ)

انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ بیتے ہوئے دل کش اور حسین لمحے پھر سے واپس آ جائیں اور وقت کا پہیا گھوم کر واپس آ جائے۔ وہ ان لمحات کو پھر سے جینا چاہتا ہے اور ان میں موجود خوشی اور لطف پھر سے محسوس کرنا چاہتا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ بقول شاعر:

ے دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو (علامہ اقبالؒ)

شاعر بھی خدا سے یہی التجا کرتے ہیں کہ مجھے وہی خواب و خیال کی دنیا عطا کر دے جو مجھے محبوب سے ملاقات کی حسین شام کی خوشی دے دے۔ عموماً شام کے وقت انسان دن بھر کی مصروفیات سے رہائی پا کر سکون کا سانس لیتا ہے۔ اس وقت اگر محبوب بھی ہمراہ ہو تو انسان کی خوشی اور طمانیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ محبوب کی قربت میں گزرے لمحے نہایت بیش بہا اور دل کش محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ خوشی کے یہ حسین لمحات بہت جلد گزر جاتے ہیں۔ شاعر ان حسین لمحات کو یاد کر رہا ہے جو بہت جلد گزر گئے۔ آج ان کی یاد دل کو بے چین کیے دیتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کسی طرح پھر سے وہی ماہ و سال عطا ہو جائیں۔

ے جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے (مرزا غالب)

ے وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں (مرزا غالب)

یہ شعر اس بات کی بھی گواہی دیتا ہے کہ انسان کا دل ماضی پرست ہوتا ہے۔ ہم اپنی موجودہ زندگی میں جتنی بھی سہولیات یا خوشیاں پا لیں، وہ ماضی کے ان لمحات کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں جو ہم نے اپنی مرضی سے یا کسی خاص مقصد کے لیے گزارے ہوتے ہیں۔ شاعر کی یہ خواہش ایک آفاقی سچائی ہے کیوں کہ اگر انسان کے اندر وقت کو پیچھے موڑنے کی صلاحیت ہوتی تو وہ شاید اپنے ماضی میں لوٹ چکا ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ یہ شعر ایک ایسی جذباتی بازیافت کی کہانی ہے جہاں شاعر اپنے گزرے ہوئے روشن ادوار کو دوبارہ اپنے حال میں لانا چاہتا ہے۔ یہ امید اور ناامیدی کے درمیان ایک باریک لکیر ہے، جہاں خواہش تو بہت بڑی ہے مگر حقیقت اس سے بالکل برعکس ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محبت اور خوشی کے لمحات کی قدر کرنی چاہیے کیوں کہ وقت جب ایک بار گزر جائے تو وہ صرف ایک کہانی بن کر رہ جاتا ہے اور انسان کی پوری زندگی بس انھی کہانیوں کو یاد کرتے گزر جاتی ہے۔ شاعر کی سادگی میں پوشیدہ یہ گہرائی ہی اس شعر کو ہمیشہ زندہ رکھے گی اور ہر قاری اسے اپنی دلی کیفیت محسوس کرے گا۔ اس شعر میں موجود درد اور خواہش کا توازن اسے اردو شاعری کے ان شاہ کاروں میں شامل کرتا ہے جو ہر دور میں اپنی تازگی برقرار رکھتے ہیں، کیوں کہ ہر انسان اس "نشاطِ شامِ وصال" کی تلاش میں ہے جو کہیں پیچھے وقت کی دھند میں کھو چکا ہے۔ یہ شعر دراصل انسان کی اسی ازلی تڑپ کا نام ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ شعر میں زبردست موسیقیت اور روانی ہے۔ مصرع اولیٰ میں "ڈال" اور "وصال" ہم قافیہ الفاظ بھی ہیں۔ جو شعر کے لفظی حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ مصرع ثانی میں "مہ" کی رعایت سے "سال" کا لفظ لایا گیا ہے جو صنعت مراعات النظیر ہے۔

شعر نمبر 2 مجھے شوقِ سیرِ سما نہیں، میں اسیرِ حرص و ہوا نہیں مَیں قفس میں عمر گزار دوں وہ ضمانتِ پر و بال دے

حل لغت سیرِ سما (آسمانوں کی سیر) اسیر (قیدی) حرص و ہوا (لالچ اور خواہش) قفس (پنجرہ) ضمانتِ پر و بال (سلامتی کی ضمانت)

مفہوم مجھے آسمان کی سیر اور دنیاوی لذتوں کی خواہش نہیں، میں تمام عمر قید میں گزار سکتا ہوں اگر وہ سلامتی کی ضمانت دے۔

تشریح

محسن احسان اُردو کے ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی ترویج و اشاعت میں بسر کی۔ ان کے خیالات میں تازگی اور زبان میں سادگی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری میں ایک نرمی، سلیقہ مندی، تہذیب اور شائستگی پائی جاتی ہے۔ وہ عام انسان کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتے ہیں مجھے ارض و سما کی سیر کا شوق نہیں، میں آسمان کی بلندیوں کو چھونے کا حریص نہیں ہوں، میں نفسانی خواہشات کا پیرو نہیں۔ مجھے دنیاوی لذتوں کا لالچ نہیں ہے۔ میں جھوٹی خواہشات اور عارضی خوشیوں کا اسیر نہیں ہوں۔ میری ذات اور میری سوچ ان سے بلند تر ہے۔ میں تمام عمر اس دنیا کے قفس میں، مجبوریٔ حالات، غربت اور تنہائی میں گزار سکتا ہوں لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ میری روح، میری عزتِ نفس اور خودداری مجروح نہیں ہوگی۔ میری خودی اور عزتِ نفس کو تحفظ حاصل رہے گا۔

- تُو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں (احمد فراز)

شعر کے دوسرے مصرعے میں شاعر کے مخاطب یعنی ''وہ'' سے مراد خدا ہو سکتا ہے اور محبوب بھی۔ شاعر خدا کے حضور عرض کرتے ہیں کہ میں تمام عمر آزمائشوں، امتحانوں اور مشکلوں میں گزار سکتا ہوں اور تیری رضا پر راضی رہ سکتا ہوں۔ تیری محبت میں ہر پابندی، ہر قید اور ہر تکلیف گوارا کر سکتا ہوں۔ بس ایک آرزو ہے کہ مجھے اپنی محبت کی ضمانت اور عزتِ نفس کی سلامتی کی ضمانت عطا فرمادے۔ بقول شاعر:

- محبت کیا ہے، دل کا درد سے معمور ہو جانا متاعِ جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہو جانا (تقی عثمانی)

دوسرے پہلو سے شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں میں تمھارے عشق میں ہر تکلیف گوارا کر سکتا ہوں اور ہر قربانی دے سکتا ہوں۔ میں تمام عمر تمھاری محبت کی قید میں گزار سکتا ہوں اگر تمھاری جانب سے مجھے محبت اور توجہ ملتی رہے اور میری عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان دنیا میں اپنی آسائشوں کو یقینی بنانے اور اپنی وقتی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بہت سی جگہوں پر اپنے ضمیر کا سودا کرتا ہے۔ ہم معاشرے میں اکثر ایسی غلامی کو قبول کر لیتے ہیں جو ہمیں خاموشی سے کسی کی خوشنودی یا مادی فائدے کی طرف لے جاتی ہے لیکن شاعر کہتے ہیں کہ حقیقی انسان وہی ہے جو اپنی سوچ کی آزادی کو دنیا کے ہر لالچ سے عزیز رکھے۔ دنیا کی قید یا کسی بھی قسم کی بیرونی پابندی انسانی جسم کو تو محدود کر سکتی ہے لیکن اگر اس کے پاس اپنی سوچ کی آزادی اور اپنے اصولوں پر ثابت قدم رہنے کا حوصلہ ہے تو درحقیقت وہ آزاد ہے۔ محسن احسان اس شعر کے ذریعے اس غلامی پر طنز کر رہے ہیں جس میں انسان اپنی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی شرافت اور اپنی انا کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔

اس شعر میں شاعر یہ پیغام دیتے ہیں کہ انسان کو اپنی زندگی میں خودداری کو سب سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے۔ زندگی کے سفر میں اگر مشکلات آئیں، قید کا سامنا ہو یا دنیاوی نقصانات کا اندیشہ ہو، تب بھی اپنے نظریات اور اپنی انسانیت کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے۔ جب انسان مادی خواہشات کے جال سے نکل آتا ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت قید نہیں کر سکتی۔ شاعر کی خواہش ہے کہ وہ اپنے پروں کو، یعنی اپنی صلاحیتوں کو، اسی طرح سلامت رکھے جس طرح وہ اپنی خود مختاری کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہم اپنی زندگی کے فیصلے اپنی مرضی، اپنے ضمیر اور اپنے اصولوں کے مطابق کریں، نہ کہ دوسروں کی خوشنودی یا دنیاوی لالچ کے حصار میں رہ کر۔ یہی وہ حقیقی آزادی ہے جس کے حصول کے لیے شاعر اپنی تمام عمر قید میں گزارنے کے لیے بھی آمادہ ہے۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ ''شوقِ سیرِ سما'' اور ''اسیرِ حرص و ہوا'' نہایت بلیغ تراکیب ہونے کے ساتھ ہم قافیہ بھی ہیں۔ جس سے شعر کا لفظی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں شعر میں لفظ ''نہیں'' کی تکرار ہے جو صنعتِ تکرار ہے۔

شعر نمبر 3 بڑا غم شناس کوئی تو ہے، مرے آس پاس کوئی تو ہے — مرے حرف کو جو خلوص دے، مرے لفظ کو جو کمال دے

حلِ لغت غم شناس (دکھ کو سمجھنے والا) خلوص (وفا اور محبت) کمال (عروج، ترقی)

مفہوم کوئی تو میرا غم گسار اور ہمدرد ہے جو مرے آس پاس ہی ہے، وہی مرے حرف کو خلوص اور فن کو کمال دیتا ہے۔

تشریح

محسن احسان اُردو کے ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی ترویج و اشاعت میں بسر کی۔ ان کے خیالات میں تازگی اور زبان میں سادگی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری میں ایک نرمی، سلیقہ مندی، تہذیب اور شائستگی پائی جاتی ہے۔ وہ عام انسان کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

اس شعر میں شاعر ایک ایسے جذباتی اور روحانی کیفیت کی عکاسی کرتے ہیں جو ہر حساس انسان کے دل میں کبھی نہ کبھی ضرور پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس شعر میں تنہائی کے احساس اور کسی ایسے شخص کی تلاش کا ذکر کر رہے ہیں جو اس کی شخصیت اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کی گہرائی کو سمجھ سکے۔

تشریح طلب شعر کے پہلے مصرعے میں شاعر کہتے ہیں کہ اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی تو ہے جو اس کے دکھ درد اور غم کو جانتا ہے اور اس کے آس پاس موجود ہے۔ یہاں غم شناس سے مراد ایسا شخص ہے جو انسان کی خاموش آہوں، اس کی اداسی اور اس کے دل میں چھپے ہوئے دکھوں کو بغیر کہے بھانپ لے۔ انسان جب تنہائی میں ہوتا ہے تو اکثر اسے یہ گمان ہوتا ہے کہ کوئی غیبی قوت یا کوئی ہمدرد ہستی اس کے قریب ہے جو اس کی تکلیف سے آگاہ ہے۔ یہ ایک طرح کی امید اور ڈھارس ہے کہ وہ دنیا میں اکیلا نہیں ہے۔ یہ احساس انسان کو ہمت دیتا ہے اور اس کے دل کے بوجھ کو ہلکا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

تشریح طلب شعر کے دوسرے مصرع میں شاعر اپنی ایک اور خواہش کا اظہار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اسے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس کے الفاظ اور اس کی بات کو خلوص اور کمال عطا کرے۔

؎ کوئی تو ہو جو علاجِ غم کرے — میرا ساتھ دے، میرے دُکھ کم کرے (عمران بشیر)

جب انسان کسی سے بات کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اسے سمجھا جائے، صرف سنا نہ جائے۔ خلوص دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص اس کی باتوں کو بناوٹی پن کی بجائے سچے جذبے کے ساتھ سنے۔ جب کسی بات کو خلوص سے سنا جاتا ہے تو اس بات میں ایک عجیب سی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مرے لفظ کو جو کمال دے، کا مطلب یہ ہے کہ شاعر اپنی شاعری یا اپنی بات کو جس مقصد کے لیے پیش کر رہا ہے، کوئی ایسا ماہرِ فن یا ہم خیال شخص ہو جو اس کے الفاظ کی اصلی اہمیت اور خوب صورتی کو پہچانے اور اسے اس کا صحیح مقام دے اور اس کے فن کو اوجِ کمال عطا کر دے۔

؎ جانے کیا کیا بنا گیا وہ شخص — نہ میں شاعر، نہ حکیم، نہ فلسفی

مختصر یہ کہ یہ شعر ایک ایسے بہترین ساتھی یا ہمدم کی تلاش کی کہانی ہے جس کے ساتھ انسان اپنے دل کے حال کہہ سکے اور اسے یہ یقین ہو کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، سامنے والا اسے نہ صرف سن رہا ہے بلکہ اس کی روح کی گہرائیوں تک پہنچ کر اسے محسوس بھی کر رہا ہے۔ زندگی میں اکثر انسانوں کو الفاظ کا ذخیرہ تو مل جاتا ہے، لیکن وہ سمجھنے والے نہیں ملتے جو ان الفاظ کے پیچھے چھپے ہوئے جذبات کو سمجھ سکیں۔ شاعر کا یہ کلام اسی محرومی اور اس کے ازالے کی خواہش کا اظہار ہے۔ انسان کتنا بھی خود کفیل کیوں نہ ہو، اسے ہمیشہ ایک شخص کی ضرورت رہتی ہے جو اس کے دکھ کو بانٹ سکے اور اس کی شخصیت کو مکمل کرنے میں مددگار ثابت ہو سکے۔ یہ تلاش ہی انسان کو مسلسل سفر میں رکھتی ہے اور زندگی کی تنہائیوں میں اسے ایک خاص قسم کا سکون فراہم کرتی ہے۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ مصرعِ اولیٰ میں "غم شناس" اور "آس پاس" ہم قافیہ الفاظ بھی ہیں جن سے شعر کا لفظی

حسن دوبالا ہو گیا ہے۔مصرع ثانی میں ''حرف'' اور ''لفظ'' ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جو صنعتِ مراعاۃ النظیر ہے۔شعر موسیقیت اور ترنم سے بھرپور ہے۔

شعر نمبر 4 تجھے زعمِ خودنگری سہی، مجھے فخرِ قربِ حبیب ہے　　میں ہوں عکس عکس میں جلوہ گر، مجھے آئینوں سے نکال دے

حلِ لغت زعم (غرور، فخر) خودنگری (خود پسندی) فخر (رشک) قربِ حبیب (محبوب کا ساتھ) عکس (سایہ) جلوہ گر (دکھائی دینا، ظاہر ہونا)

مفہوم محبوب خود پسندی کے زعم میں مبتلا ہے جب کہ میں محبوب کی قربت پر فخر کرتا ہوں۔

تشریح

محسن احسان اُردو کے ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر علم وادب کی ترویج واشاعت میں بسر کی۔ان کے خیالات میں تازگی اور زبان میں سادگی محسوس ہوتی ہے۔ان کی غزلیہ شاعری میں ایک نرمی، سلیقہ مندی، تہذیب اور شائستگی پائی جاتی ہے۔وہ عام انسان کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر ایسے شخص کو مخاطب کرتے ہیں جو اپنی ذات کے غرور میں مبتلا ہے۔وہ اس کا تقابل اپنے محبوب کی قربت سے کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اگر تجھے اپنی ذات پر ناز ہے اور تو انتہا درجے کی خود پسندی کے غرور میں مبتلا ہے تو مجھے بھی محبوب کی قربت پر فخر ہے۔محبوب کے ساتھ گزرے لمحات میرے لیے باعثِ اعزاز ہیں۔

؎ تجھے ناز ہے کہ تُو حُسن ہے، ترے گلستاں کو زوال کیا　　مجھے فخر ہے کہ میں عشق ہوں، جو جلا نہ دوں تو کمال کیا

''خودنگری'' سے مراد اپنی ہی ذات میں گم رہنا، خود کو ہی اہمیت دینا اور اپنی ذات کے غرور میں مبتلا ہونا ہے۔جب کہ ''قربِ حبیب'' محبوب کے ساتھ قربت کو بیان کرتا ہے۔شاعر اس قربت کو اپنی سب سے بڑی کامیابی قرار دیتے ہیں۔

؎ یہ فخر تو حاصل ہے برے ہیں کہ بھلے ہیں　　دو چار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں　(ادا جعفری)

دوسرے مصرعے میں شاعر کہتے ہیں کہ میں ہر عکس میں موجود ہوں، ہر منظر میں نظر آتا ہوں اور میرا جلوہ ہر جگہ ہے۔مجھے ان آئینوں سے نکال دے۔یعنی میری ذاتی حیثیت کو میرے ظاہری وجود سے نکال دے۔میں فنا فی المحبوب ہو چکا ہوں۔میری ذات اب میری نہیں رہی، ہر شے میں محبوب کا جلوہ دیکھتا ہوں اور میرا اپنا وجود محبوب میں گم ہو چکا ہے۔اس لیے مجھے میری ذات، میرے عکس اور میرے وجود کی شناخت سے آزاد کر دے۔

''آئینوں سے نکال دے'' کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ مجھے دنیاوی اور مادی خواہشات اور وہ تمام اشیا جو انسان کو خود میں محدود رکھتی ہیں، ان تمام رکاوٹوں سے باہر نکال کر آزاد کر دے۔میں صرف محبوب کے وجود میں گم ہو جاؤں اور اس کا عکس بن کر رہ جاؤں۔خود پسندی اور غرور انسان کو محدود کر دیتے ہیں، جب کہ محبت اور قربت انسان کو تمام حدود سے آزاد کر دیتے ہیں۔شاعر خودی کے آئینے سے نکل کر محبوب کی ذات میں ضم ہونا چاہتا ہے، جہاں وہ صرف محبوب کے جلوے کا عکس بن کر رہ جائے۔یہ شعر اپنی ذات کو چھوڑ کر محبوب کے وجود میں ضم ہونے کی ایک خوب صورت تمثیل ہے۔

؎ مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے　　کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔''زعمِ خودنگری'' نہایت بلیغ ترکیب ہے۔مصرع ثانی میں ''عکس عکس'' کے الفاظ کی تکرار ہے جو صنعتِ تکرار ہے۔جس سے شعر کا صوتی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔علاوہ ازیں ''عکس'' کی رعایت سے ''آئینوں'' کا لفظ لایا گیا ہے جو صنعت مراعات النظیر ہے۔

شعر نمبر 5 وہی تیرگی کی روایتیں، وہی ظلمتوں کی حکایتیں　　تو وکیلِ صبحِ حیات ہے، کوئی روشنی کی مثال دے

حلِ لغت تیرگی (تاریکی، اندھیرا) روایتیں (رسم و رواج، پرانے دستور) ظلمتوں (تاریکیوں، اندھیروں)، حکایتیں (داستانیں) وکیلِ صبحِ حیات (زندگی کی صبح کا نمائندہ)

مفہوم ہر طرف وہی اندھیرا اور ظلم ہے، وہی روایتیں اور وہی داستانیں ہیں اگر تم امن اور زندگی کے علم بردار ہو تو کوئی روشنی کا پیغام دو۔

تشریح

محسن احسان اُردو کے ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی ترویج و اشاعت میں بسر کی۔ ان کے خیالات میں تازگی اور زبان میں سادگی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری میں ایک نرمی، سلیقہ مندی، تہذیب اور شائستگی پائی جاتی ہے۔ وہ عام انسان کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر زمانے کی تاریکی اور ظلم و ستم کا تذکرہ کرتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں ہر جگہ وہی جہالت اور ظلم و ستم کی تاریخ، وہی معاشرتی ناانصافی اور اخلاقی زوال کی داستانیں ہیں۔ ہر جگہ قدامت پسندی، پرانے رسم و رواج کی اندھی تقلید، جھوٹ، منافقت اور دغابازی کا غلبہ ہے۔ اگر تم واقعی روشنی کے علم بردار ہو، حیاتِ نو کے نمائندے ہو، تاریکیوں کو روشنیوں میں بدل سکتے ہو، ظلم و ستم کو خوشیوں میں تبدیل کر سکتے ہو تو پھر اپنے عمل سے یا کسی مثال سے اس کا ثبوت پیش کرو تا کہ یہ تاریکی اور ظلمت ختم ہو سکے۔ بقول شاعر:

؎ شکوہِ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے (احمد فراز)

''تیرگی'' ظلم و ستم، ناانصافی، جہالت، بدامنی اور دکھوں کی علامت ہے۔ جب کہ ''صبحِ حیات'' امن و سکون، عدل و انصاف خوشی و راحت اور سکھ چین کی علامت ہے۔ شاعر اپنے گردوپیش میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کی ابتری کو دیکھتے ہوئے کسی ایسے مسیحا اور رہنما کی تلاش میں ہیں جو لوگوں کو ان نامساعد حالات سے نکال سکے اور انھیں روشنی کے سفر پر گامزن کر سکے۔ ہر طرف انصاف، امن اور خوش حالی کا دور دورہ ہو۔ مایوسی اور تاریکی کے زمانے میں سے کوئی تو ہو جو روشن صبح کا پیغام دے۔ کوئی تو ہو جو چاکِ گریباں کا پرچم لے کر نکلے۔ ایسے میں جب کوئی اس طرح کا دعویٰ کرتا ہے تو شاعر کہتے ہیں کہ اگر تم واقعی صبحِ حیات کے وکیل ہو تو محض دعوے اور جھوٹے وعدے نہ کرو بلکہ اپنے عمل سے ایسی کوئی مثال دو۔

اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم صبح کی روشنی لانے والے ہو، اگر تم حقیقت میں اندھیروں کو مٹانے کا ارادہ رکھتے ہو اور تم میں کچھ کر گزرنے کی صلاحیت ہے تو پھر صرف باتیں کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ اب تمھیں صرف فرسودہ قصے سنانے کی بجائے عملی طور پر کوئی روشن مثال قائم کر کے دکھانی ہوگی۔ یعنی تم صرف دعوے مت کرو بلکہ اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تمھارے اندر روشنی پھیلانے کی طاقت موجود ہے۔ معاشرے میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں اور تبدیلی کے نعرے لگاتے ہیں مگر جب عمل کی باری آتی ہے تو وہ اسی بھیڑ کا حصہ بن جاتے ہیں جو اندھیروں کی شکایت تو کرتی ہے مگر چراغ جلانے کی ہمت نہیں رکھتی۔

؎ باہر ہیں تیرگی کی ردائیں تنی ہوئیں مشکل میں آفتاب ہے بھٹکے وجود میں (ماجد جہاں گیر مرزا)

اس شعر میں شاعر یہ پیغام دیتے ہیں کہ دنیا کو نعروں، روایتی باتوں اور اندھیروں کا رونا رونے والوں کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو عملی قدم اٹھا کر تبدیلی کی بنیاد رکھ سکیں۔ کسی بھی معاشرے میں بہتری تبھی آتی ہے جب کوئی شخص روایت سے ہٹ کر نئی راہ نکالتا ہے اور اندھیرے کے خلاف اپنی ہمت اور کوشش سے روشنی کا دیپ جلاتا ہے۔ جو لوگ روشنی کی بات کرتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ خود کو ایسا نمونہ بنائیں جنھیں دیکھ کر دوسروں کے دلوں میں بھی امید جاگے اور وہ بھی اندھیروں سے نکلنے کی ہمت کر سکیں۔

؎ کہیں باہر اپنے وجود کے نہ ہے جوت کوئی، نہ نور ہے جسے اپنے دل میں ضیا ملی، وہی تیرگی سے نکل گیا (شاد بلگوی)

خلاصہ یہ کہ شاعر ایک طرف ہماری اس عادت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہم مسائل کے گرد ہی گھومتے رہتے ہیں اور دوسری طرف ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ اگر ہم خود کو روشن خیال یا بہتری لانے والا سمجھتے ہیں تو پھر عملی میدان میں ایسی مثال قائم کریں جو دوسروں کے لیے مشعل راہ بنے۔ صرف باتوں سے اندھیرے کبھی نہیں مٹتے، اندھیروں کو مٹانے کے لیے روشنی کی عملی موجودگی ضروری ہے۔ شاعر کا لہجہ یہاں تنقیدی بھی ہے اور پُر امید بھی۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم شکایت کرنے کی بجائے عمل کی طرف آئیں اور اپنے کردار سے ثابت کریں کہ ہم واقعتاً نئی صبح کے وکیل ہیں۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ مصرع اولیٰ میں ''روایتیں'' اور ''حکایتیں'' ہم قافیہ الفاظ ہیں۔ جن سے شعر کا لفظی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ ''تیرگی، صبح'' اور ''روشنی'' کے الفاظ ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جو صنعتِ مراعاۃ النظیر ہے۔ شعر موسیقیت اور روانی سے بھرپور ہے۔

شعر نمبر 6

نہ ہے چاہ منصب و جاہ کی، نہ ہوس ہے تخت و کلاہ کی — میں غریب ہوں تو غیور رکھ، مجھے صرف رزقِ حلال دے

حلِ لغت چاہ (چاہت، طلب) منصب و جاہ (عہدہ اور شان) ہوس (لالچ) تخت وکلاہ (بادشاہت اور اقتدار) غیور (غیرت مند)

مفہوم مجھے دنیاوی عہدے، عارضی شان و شوکت اور جھوٹی عزت کی خواہش نہیں بلکہ حلال روزی چاہتا ہوں جس میں عزتِ نفس اور خودداری محفوظ ہو۔

تشریح

محسن احسان اُردو کے ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی ترویج و اشاعت میں بسر کی۔ ان کے خیالات میں تازگی اور زبان میں سادگی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری میں ایک نرمی، سلیقہ مندی، تہذیب اور شائستگی پائی جاتی ہے۔ وہ عام انسان کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ میں تجھ سے بڑے بڑے دنیاوی عہدے اور منصب نہیں مانگتا، نہ ہی میں تجھ سے ظاہری شان و شوکت کا طلب گار ہوں۔ مجھے حکومت اور سلطنت اور ظاہری نمود و نمائش کا لالچ نہیں ہے۔ میں عزت دار اور خودداری کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ میں غریب ہوں لیکن تو اپنی عنایت سے مجھے غیرت مند اور خوددار رکھ۔ مجھے اپنے فضل و کرم سے رزقِ حلال عطا فرما جو میری اپنی محنت اور خون پسینے کی کمائی سے ہو۔ رشوت، لوٹ مار اور غبن جیسی اخلاقی اور سماجی برائیوں میں مبتلا ہونے سے بچا۔ علاوہ ازیں مجھے دوسروں کے در کا سوالی بننے سے بچا۔ میری عزتِ نفس کی حفاظت فرما۔ مجھے فقر و فاقہ بھی گوارا ہے۔ مجھے خوددار رکھ، میری غیرت اور عزتِ نفس سلامت رکھ۔ مجھے ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت اور آسائش سے بچا۔ میرے لیے رزقِ حلال، قناعت اور غیرت مندی ہی اصل دولت ہے۔

- غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں — پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا (علامہ اقبالؒ)

ایسا رزق جو حرام اور ناجائز ذرائع سے حاصل ہو وہ کچھ عرصہ کے لیے تو جھوٹی عزت دے دیتا ہے، دنیاوی عہدہ و منصب مل جاتا ہے، عارضی چکا چوند سے لوگ متاثر بھی ہو جاتے ہیں لیکن بالآخر وہ رزق خدا سے دوری کا باعث بنتا ہے۔ اس سے کبھی چین اور سکون حاصل نہیں ہوتا۔ رزقِ حلال کمانا عین عبادت ہے۔ جو شخص اس کی پابندی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوتا ہے۔ اس کی پرواز عرشِ الٰہی تک ہوتی۔ وہ زمین پر دعا کرتا ہے اور عرش پر قبول ہوتی ہے۔

- اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (علامہ اقبال)

شاعر کا یہ اندازِ فکر ہمیں قناعت کا عملی اور روشن درس دیتا ہے۔ قناعت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان محنت کرنا چھوڑ دے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے یا ترقی کی کوشش ترک کر دے بلکہ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے ذرائع کے اندر رہتے

ہوئے شکر گزاری سیکھے اور غیر قانونی، ناجائز یا غلط ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے کی ہوس سے ہمیشہ دور رہے۔ جب انسان اپنی خواہشات اور ضروریات کو اپنی آمدنی کے مطابق محدود کر لیتا ہے تو اسے دنیا کی بڑی سے بڑی آسائش بھی بے معنی اور معمولی لگنے لگتی ہے۔ محسن احسان کا یہ شعر آج کے مشینی اور مادہ پرست دور میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ لوگ اندھا دھند دولت کی دوڑ میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے اور آگے نکل جانے کی ہوس میں مبتلا ہیں۔

؎ دو گز کفن ہی انت میں سب کا نصیب ہے ۔۔۔ اب چھوڑ بھی ونیش یہ دولت کی ہوڑ تو (ونیش کمار)

اس شعر میں شاعر یہ احساس دلاتے ہیں کہ زندگی کا مقصد صرف مال و دولت جمع کرنا نہیں بلکہ پاکیزگی، حلال طریقے اور وقار کے ساتھ جینا ہے۔ یہ الفاظ ایک ایسے باشعور اور دیدہ ور انسان کے ہیں جس نے دنیا کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے اور یہ جان لیا ہے کہ دنیا کی چمک دمک دراصل ایک سراب کے سوا کچھ نہیں، جو دور سے تو بہت دل کش اور حسین لگتی ہے لیکن پاس جانے پر صرف خالی پن اور تنہائی کا احساس دیتی ہے۔ انسان کا اصل ہنر یہی ہے کہ وہ اپنی وقتی ضرورت کو اپنی خودداری اور ضمیر پر کبھی ترجیح نہ دے اور اپنی پوری زندگی میں حلال رزق کو ہی اپنی اصل پہچان بنا کر رکھے۔ جو شخص رزقِ حلال کی حفاظت کرتا ہے، خدا اس کے دل میں وہ غنا بھر دیتا ہے جو اسے پوری دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ امیر بنا دیتا ہے۔ اس شعر میں شاعر انسان کو اس کے اصل مقام سے روشناس کرواتا ہے اور اسے یاد دلاتا ہے کہ ایک باضمیر انسان کی پہچان اس کا ظرف ہے نہ کہ اس کی جیب۔ اسی طرح کی زندگی گزار کر انسان نہ صرف خود پر سکون رہ سکتا ہے بلکہ معاشرے میں بھی ایک مثبت اور پاکیزہ مثال قائم کر سکتا ہے، کیوں کہ حلال رزق انسان کے کردار میں نکھار پیدا کرتا ہے اور اسے ہر قسم کی ذلت و خواری سے محفوظ رکھتا ہے۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ مصرعِ اولیٰ میں ''جاہ'' اور ''کلاہ'' ہم قافیہ الفاظ ہیں۔ جن سے شعر کا لفظی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ مصرعِ ثانی میں ''غریب'' اور ''غیور'' کے الفاظ میں حرف ''غ'' کی تکرار ہے جو تکرارِ حرفی کی بہترین مثال ہے۔ اس سے شعر کا صوتی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ شعر موسیقیت اور روانی سے بھرپور ہے۔

شعر نمبر 7 ہے دعائے محسنِ بے نوا کہ نگارِ شعر کو ہو عطا ۔۔۔ وہ چمک جو تابشِ مہر دے، وہ مہک جو نافِ غزال دے

حلِ لغت بے نوا (عاجز، بے بس) نگارِ شعر (شعر لکھنے کی صلاحیت، شاعری کی خوب صورتی) تابشِ مہر (سورج کی روشنی) مہک (خوش بو) نافِ غزال (ہرن کی ناف)

مفہوم اے خدا! مجھ عاجز و بے کس کی دعا ہے کہ مجھے ایسا شعری اظہار عطا فرما جس کی روشنی سورج کی مانند ہو اور جس کی خوش بو مشک جیسی ہو۔

تشریح

محسن احسان اُردو کے ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی ترویج و اشاعت میں بسر کی۔ ان کے خیالات میں تازگی اور زبان میں سادگی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری میں ایک نرمی، سلیقہ مندی، تہذیب اور شائستگی پائی جاتی ہے۔ وہ عام انسان کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

تشریح طلب شعر میں شاعر خود کو بے نوا کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ مجھ بے نوا کو ایسا فنِ شعر گوئی اور تخلیقی اظہار عطا فرما کہ جو زمانے میں بے مثال ہو۔

؎ مری سوچ میں نئے موسموں کی شگفتگی کی شمیم ہو ۔۔۔ میں اسیرِ فکرِ قدیم ہوں مجھے تازگیِ خیال دے (محسن احسان)

ان کے شعروں میں ایسی تاثیر اور ایسی تابندگی پیدا ہو جائے جو لوگوں کے دل و دماغ کو منور کر دے۔ شاعر اس شعر میں اپنی شاعری کو ایک ''نگار'' سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ نگار کا مطلب محبوب، حسین اور خوب صورت چیز ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا کلام محض الفاظ کا مجموعہ نہ ہو، بلکہ ایک ایسا دل کش شاہ کار بن جائے جس میں زندگی کی سچائیاں اور احساسات کی شدت موجود ہو۔

جب وہ کہتے ہیں کہ انھیں ایسی ''چمک'' عطا ہو جو ''تابشِ مہر'' یعنی سورج کی روشنی کے برابر ہو تو ان کا اشارہ اس روشنی کی طرف ہے جو تاریکیوں کو مٹا دیتی ہے۔ جس طرح سورج نکلنے سے دنیا کا ہر گوشہ روشن ہو جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح شاعر کی یہ دلی خواہش ہے کہ ان کی شاعری حق اور سچائی کا وہ اجالا بنے جو جہالت کے اندھیروں کو ختم کر کے انسانی روح کو منور کر سکے۔ یہ تابندگی دراصل علم، حکمت اور بصیرت کی وہ علامت ہے جو ایک سچے شاعر کا سب سے بڑا اثاثہ ہوتی ہے۔

اسی طرح شعر کے دوسرے مصرعے میں وہ ''مہک'' کی بات کرتے ہیں جو ''نافِ غزال'' یعنی مشک سے آتی ہے۔ مشک کی خوش بو فطری طور پر بڑی دل فریب اور دیرپا ہوتی ہے۔ یہاں شاعر اپنی شاعری میں اخلاقی حسن، پاکیزگی اور ایک ایسی خوش بو کے متلاشی ہیں جو لوگوں کے دلوں میں اتر جائے۔ کستوری کی خوش بو خود کو چھپا نہیں سکتی اور اپنے گرد و پیش کو معطر کر دیتی ہے، شاعر یہ چاہتے ہیں کہ ان کے کلام میں بھی ایسی تاثیر ہو جو معاشرے میں خیر، محبت اور انسانیت کا پیغام پھیلا سکے۔ ان کی دعا ہے کہ ان کے خیالات میں وہ کشش ہو کہ جو بھی اسے پڑھے یا سنے، وہ اس کی مہک سے سرشار ہو جائے اور اس کا دل تازگی محسوس کرے۔

شاعر اپنی شاعری کو فکری اور فنی لحاظ سے اوجِ کمال پر دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ انھیں اپنے اشعار بے مایہ و بے حیثیت لگتے ہیں، وہ ان میں نکھار اور خوب صورتی چاہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ شعر ایک فن کار کی اس اعلیٰ ترین خواہش کا اظہار ہے جس میں وہ اپنے فن کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں، بلکہ انسانیت کے لیے ایک روشنی اور ایک خوش گوار تجربہ بنانا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے شعر محض لفظوں کا کھیل نہ ہوں بلکہ ان میں ایک ایسی توانائی ہو جو انسان کی داخلی دنیا کو روشن کرے اور ایک ایسا سکون بخشے جو مشک کی خوش بو کی طرح ذہن و روح کو معطر کر دے۔ یہ ایک تخلیق کار کی اپنے فن کے عروج تک پہنچنے کی وہ تڑپ ہے جس میں عاجزی بھی ہے اور ایک بلند مقصد کا شعور بھی۔ شاعر جانتے ہیں کہ یہ چمک اور یہ مہک محض محنت سے نہیں بلکہ خداداد صلاحیت سے حاصل ہوتی ہے، اسی لیے وہ اپنے رب کے حضور دست بدعا ہیں۔

فنی محاسن شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ مصرعِ اولیٰ میں ''بے نوا'' اور ''عطا'' ہم قافیہ الفاظ ہیں۔ جن سے شعر کا لفظی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ مصرعِ ثانی میں ''تابشِ مہر'' اور ''نافِ غزال'' نہایت عمدہ تشبیہات ہیں۔ علاوہ ازیں شعر موسیقیت اور روانی سے بھرپور ہے۔

مشقی سوالات

1 درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

(الف) شاعر کس قسم کے خواب چاہتا ہے اور کس طرح کے مہ و سال کی خواہش رکھتا ہے؟

جواب: شاعر ایسے خواب چاہتا ہے جو اسے محبوب سے ملاقات کی شام جیسی خوشی دیں۔ شاعر ماضی کے ایسے حسین ماہ و سال واپس پانے کا خواہش مند ہے جو بہت جلد گزر گئے تھے۔

(ب) ضمانتِ پر و بال ملنے پر شاعر کہاں عمر گزارنے پر تیار ہے؟

جواب: شاعر کہتا ہے کہ اگر مجھے ضمانتِ پر و بال مل جائے تو میں تمام عمر قفس یعنی دنیا اور دنیاوی مشکلات کی قید میں گزارنے پر تیار ہوں۔

(ج) شاعر کو کس طرح کا غم شناس حاصل ہے؟

جواب: شاعر کو ایسا غم شناس حاصل ہے جو ہمیشہ اس کے آس پاس رہتا اور اس کے ساتھ ہمدرد ہے، اس کے دکھ درد کو سمجھتا ہے۔

(د) شاعر نے وکیلِ صبحِ حیات سے کیا تقاضا کیا ہے؟

جواب: شاعر نے وکیلِ صبحِ حیات سے تقاضا کیا ہے کہ وہ روشنی کی کوئی مثال دے۔

(ہ) زیرِ مطالعہ غزل کے مقطع میں کیا دعا مانگی گئی ہے؟

جواب: غزل کے مقطع میں شاعر دعا گو ہے کہ میری شاعری کو سورج جیسی چمک اور نافِ غزال جیسی خوش بو ملے۔

2 درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں درست جواب کی نشان دہی کریں:

(الف) "سیرِ سما" سے مراد ہے:
(i) صبح کی سیر (ii) دریا کی سیر (iii) آسمانوں کی سیر (iv) پہاڑوں کی سیر

(ب) شاعر کو فخر ہے:
(i) قربِ حبیب پر (ii) قربِ طبیب پر (iii) قربِ نجیب پر (iv) قربِ نقیب پر

(ج) شاعر کو ہوس نہیں ہے:
(i) منصب و جاہ کی (ii) تخت و کلاہ کی (iii) قربتِ شاہ کی (iv) مہر و ماہ کی

(د) اس غزل کی ردیف ہے:
(i) خواب (ii) وصال (iii) دے (iv) دعا

(ہ) شاعر نکلنا چاہتا ہے:
(i) آئینوں سے (ii) محفلوں سے (iii) خیالوں سے (iv) خوابوں سے

جوابات

الف	آسمانوں کی سیر	ب	قربِ حبیب پر	ج	تخت و کلاہ کی	د	دے	ہ	آئینوں سے

۳ زیرِ مطالعہ غزل میں استعمال ہونے والی تراکیب کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کے معانی واضح ہو جائیں۔

جواب:

تراکیب	جملے
شامِ وصال	عاشق کے لیے شامِ وصال سے بڑھ کر خوشی کی کوئی شے نہیں۔
مہ و سال	خوش گوار مہ و سال انسان کو کبھی نہیں بھولتے۔
شوقِ سیرِ سما	خدا کے سچے بندوں کے دلوں میں شوقِ سیرِ سما کی بجائے خدا کی محبت موجزن ہوتی ہے۔
اسیرِ حرص و ہوا	اسیرِ حرص و ہوا کو کبھی دلی سکون نصیب نہیں ہوتا۔
غم شناس	اس مادہ پرستی کے دور میں کوئی غم شناس نہیں ملتا۔
زعمِ خودنگری	یہاں ہر شخص زعمِ خودنگری میں مگن ہے۔
فخرِ قربِ حبیب	جنھیں فخرِ قربِ حبیب ہو وہ جاہ و منصب کا لالچ نہیں رکھتے۔
وکیلِ صبحِ حیات	موجودہ دور میں وکیلِ صبحِ حیات بھی روشنی کی مثال دینے سے قاصر ہے۔
منصب و جاہ	منصب و جاہ کی ہوس انسان کو ظالم بنا دیتی ہے۔
تخت و کلاہ	موت کے وقت تخت و کلاہ اور لشکر و سپاہ کچھ کام نہ آئے گا۔
نگارِ شعر	نگارِ شعر عطیۂ خداوندی ہے۔
تابشِ مہر	تابشِ مہر نے رات کے اندھیروں کو کافور کر دیا۔
نافِ غزال	نافِ غزال کی مہک بے مثال ہے۔

۴ زیرِ مطالعہ غزل کے قافیوں کی فہرست بنائیں۔

جواب: وصال، سال، حال، کمال، نکال، مثال، حلال، غزال

۵ مرزا غالبؔ کے درج ذیل شعر کی روشنی میں "نافِ زمین" اور "نافِ غزال" کے فرق کی وضاحت کریں:

مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

جواب: نافِ زمین سے مراد زمین کا مرکز خانہ کعبہ ہے جب کہ نافِ غزال سے مراد ہرن کی ناف ہے جس سے مشک کی خوش بو نکالی جاتی ہے۔

۶ محسن احسان کی اس غزل میں کن معاشرتی رویوں کی کشمکش بیان ہوئی ہے؟

جواب: محسن احسان کی اس غزل میں معاشرتی بے حسی، مادہ پرستی اور خود غرضی جیسے رویوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ لوگ ظاہری چمک دمک، جاہ و منصب کے طلب گار ہیں جب کہ سچی ہمدردی، خلوص اور محبت جیسی اقدار نایاب ہو چکی ہیں۔

۷ اس مادہ پرستی کے زمانے میں بھی کچھ پاکیزہ فکر کے انسان مادی خواہشات سے آزاد ہیں۔ غزل کے مختلف اشعار کی روشنی میں اظہارِ خیال کریں۔

جواب: آج کل مادہ پرستی کا ایسا دور ہے کہ انسان اخلاقی سماجی اور مذہبی روایات سے ہٹ کر صرف مادیت کی راہ پر چل پڑا ہے۔ ہر طرف حرص و ہوس کی منڈی سجی ہوئی ہے۔ اس پرفتن دور میں بھی کچھ پاکیزہ فکر کے انسان ہوتے ہیں جو ان مادی خواہشات سے دور ہوتے ہیں۔
اس غزل میں ایسے درویش صفت لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو مادیت پرستی سے دور رہتے ہیں۔ وہ حرص و ہوس کی جگہ جس میں زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ خلوص کی طاقت سے آشنا ہوتے ہیں اور پرخلوص لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ اپنے حبیب کے قرب کو اپنی سب سے بڑی دولت سمجھتے ہیں۔ وہ غریبی میں غیرت مند رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے لیے حرص و ہوس کے خزانوں کی جگہ رزقِ حلال کے چند ٹکڑے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔

۸ واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیں:

حرف　　حبیب　　روایتیں　　حکایتیں　　وکیل　　منصب

جواب:

واحد	جمع
حرف	حروف
حبیب	احباب/ اِحِبّا
حکایت	حکایتیں/ حکایات
وکیل	وکلا
منصب	مناصب

۹ فکری اور فنی محاسن کی وضاحت کے ساتھ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

مرا غم شناس کوئی تو ہے، مرے آس پاس کوئی تو ہے
مرے حرف کو جو خلوص دے، مرے لفظ کو جو کمال دے
تجھے زعم خودنگری سہی، مجھے فخر قُربِ حبیب ہے
میں ہوں عکس عکس میں جلوہ گر، مجھے آئینوں سے نکال دے

جواب: دیکھیے تشریح اشعار۔

۱۰ محسن احسان کی اس غزل میں مصرعوں میں بھی اندرونی قافیوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ایسے مصرعوں کی نشان دہی کریں۔

جواب: اندرون قافیے: وصال، کمال، ڈال۔ پلک، جھپک۔ سما، ہوا۔ شناس، آس، پاس۔ روایتیں، حکایتیں۔ چاہ، جاہ، کلاہ۔ بے نوا، عطا۔ تیرگی، روشنی۔ چمک، مہک۔